THE MESSENGER
پیغام بر
اسکاربرو کینیڈا
۲۱ مئی ۱۹۹۵ء

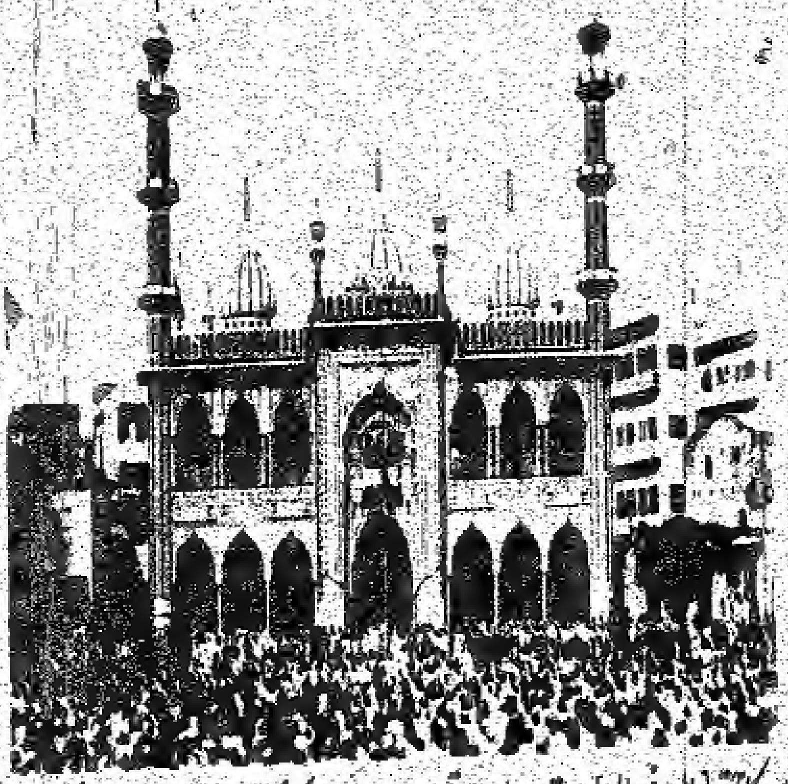

"اور قرابت دار کو اس کا حق [مالی وغیر مالی] دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور [مال کو] بے موقع مت اڑانا"

بنی اسرائیل ۲۶

کیا انتخابات کا بائیکاٹ

ایم آر ڈی کا نیا ہدف ہوگا؟

کیا قادیانیوں کے متعلق آرڈی ننس حکومت کی مجبوری تھی؟

تحریر: ابو سجاد

زیرِ نظر مضمون ایک اقتباس کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے ہم قارئین کو اس موضوع پر اظہارِ رائے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ خیالات کے لئے اخبار ہٰذا کے صفحات حاضر ہیں۔

ہندوستان میں مغل سلطنت کے ختم ہونے اور مسلمانوں کی شکست ... اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی کہ مسلمانوں میں از سر نو جذبۂ جہاد کو بیدار کر دیا جائے ...

پاکستان کی سابقہ قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں آئینی طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اس ۹۵ سالہ پرانے مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں پہلا مثبت اور ٹھوس قدم اٹھایا تھا۔ ...

[illegible]

محض یک بحالیٔ جمہوریت نے ... اور اگست کے سیاسی خلاء کو ...

[illegible]

(باقی صفحہ ۷ پر)

بقیہ: آرڈی ننس

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے مجاہدین نے ختم نبوت کا پرچم تھامے رکھا ہے۔ بے پناہ اور قابل قدر کام کیا۔ اور عامۃ المسلمین کو قادیانی فتنے اور اس کی اصل اساس کے نتائج سے آگاہ کیا۔ اور یہ بات واضح کر دی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی حیثیت ایک جدید کے مسیلمہ کذاب کی ہے۔ اور اس کے ماننے والے مرتد اور دین اسلام سے خارج ہیں، جن کے ساتھ مسلمانوں کا اکل و شرب و مناکحت و روابط جائز نہیں۔ لیکن دوسری طرف انگریزی حکومت مرزائیوں پر بھرپور اعتماد کرتی تھی اور ہر طرح سے ان کو نوازا جاتا تھا۔ چنانچہ ربوہ اور قادیان میں انہیں وسیع قطعات اراضی دے دیئے گئے جہاں وہ اپنی مکروہ تبلیغی سرگرمیاں کرتے تھے۔ قادیانیوں کی اصل ہمدردیاں صرف اور صرف انگریزوں کے ساتھ وابستہ رہیں اور تحریک پاکستان کے دوران قادیانی ٹولے نے تحریک کو سبوتاژ کرنے اور پاکستان کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ لیکن کاتب ازل نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دعاؤں کے صلے تقدیریت لکھ دی تھی۔

پاکستان قائم ہوا اور اس کے ساتھ ہی قادیانی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کی قوت کا مرکز بکھر کر رہ گیا۔ لیکن اب انہوں نے از سر نو اپنے آپ کو منظم کیا اور ایک نئی حکمت عملی اختیار کر لی۔

قادیانی پاکستان میں

قادیانیوں کے بارے میں جو فیصلہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے سات ستمبر ۱۹۷۴ء کو کیا وہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء ہی کو ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانیوں کو ایک نئے اسلامی ملک میں اپنی ریشہ دوانیوں کو فروغ دینے، اپنے تبلیغی مراکز قائم کرنے، پاکستان کی آئین سازی میں رخنے پیدا کرنے، سامراجی گماشتے کا کردار ادا کرنے، اس ملک میں وزارتی اور غیر وزارتی عہدوں میں کلیدی حیثیت حاصل کرنے اور پاکستان کے دشمنوں کے ایجنٹ اور مخبر کے طور پر کام کرنے کی ایک طویل مہلت مل گئی۔

انگریزی حکومت کے اختتام اور پاکستان کے نام سے ایک ایسی مملکت کے قیام جو خالصتاً اسلامی نظریے کی اساس پر وجود میں آئی تھی کا مطلب قادیانی خوب سمجھتے تھے۔ اور ان کی نظروں میں جو نئے سیاسی اور مذہبی اثرات پر تھیں، جو قادیانی ٹولے کو ہرگز قابل قبول نہ تھیں۔ نئے ملک میں ان کی سامراجی مکروہ ریشہ دوانیوں کا آغاز سر ظفر اللہ کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے تعینات سے ہوا۔ سر ظفر اللہ نے وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالتے ہی کلیدی عہدوں پر مرزائیوں کو تعینات کرنا شروع کر دیا۔ ایک منظم منصوبہ کے تحت اس نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ دنیا بھر میں پاکستان کے ہر سفارت خانے میں ایک ایسی مرزائی لابی موجود ہو، جو ان سفارت خانوں کی ایک اسلامی ملک کی حقیقی نمائندگی کے فریضے میں رکاوٹ ڈال سکے اور یہ تاثر نہ ابھر سکے کہ پاکستان ایک حقیقی اسلامی ریاست ہے۔ ایک طویل عرصہ تک ہمارے سفارت خانوں کی سرگرمیاں اگر صرف شراب و شباب کی محفلوں کا مرکز بنی رہی ہیں، تو اس کی اصل وجہ سر ظفر اللہ کی حکمت عملی تھی۔

دوسری طرف مرزائیوں نے دفاعی مورچوں پر قبضہ کرنے کی حکمت عملی بنائی اور کوشش کی کہ نوجوان مرزائی طبقے کو فوج میں زیادہ سے زیادہ ملازمتیں دلوائی جائیں، کہ اس سے ایک طرف وہ اقتصادی خود کفالت حاصل کر لیں گے اور دوسری طرف جب بھی پاکستان پر خدانخواستہ کوئی آڑا وقت آئے تو وہ دشمن نمبر ایک کا کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ انہوں نے دوسری وزارتوں کے عہدوں میں بھی کلیدی اور اہم پوزیشنیں حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ہماری بیوروکریسی ایک طویل عرصہ تک ان کا آلہ کار رہی۔ حتیٰ کہ منصوبہ بندی کمیشن کے سابق چیئرمین ایم ایم احمد کی اصل منصوبہ بندی پاکستان کی صنعتی ترقی کے لئے نہیں تھی بلکہ اس ملک کو آہستہ آہستہ ایک مرزائی ریاست میں بدلنے کی تھی اور یوں مرزائی پاکستان کی پالیسی سازی میں دخیل رہے اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام ہونا ناممکنات میں سے ہو کر رہ گیا۔

قادیانیوں نے صرف قومی سطح پر ہی پاکستان کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ پاکستان کے بیرونی دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر کے پاکستان کو نقصان پہنچانے کی بھی بھرپور کوششیں کیں۔

۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ ان کی نصف النہار کی سلطنت کا سورج ڈھل رہا ہے اور اقتدار پر پڑنے والے سائے طویل ہونے لگے ہیں اور دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں نے افریقہ اور ایشیا کے کئی ممالک میں آزادی کی تحریکوں کو تسلیم کر لیا اور انہیں آزادی دینا شروع کر دی۔ ہندوستان میں مسلم لیگ کی مقبولیت اور ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان کی متفقہ منظوری اور اس کے ساتھ ہی تحریک پاکستان کے ولولہ انگیز دور نے مرزائیوں پر یہ بات ثابت کر دی کہ اب وہ انگریزوں پر تکیہ نہیں کر سکتے اور انہیں بدلی ہوئی صورتحال میں اپنا کعبہ بھی تبدیل کرنا پڑے گا۔ اعلان بالفور کے بعد جب فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے امکانات روشن ہونے لگے اور دنیا بھر کے مسلمانوں نے نئی یہودی ریاست کے قیام کی مخالفت کی تو مرزائیوں نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور خفیہ طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے یہودی ریاست کے قیام میں ہاتھ بٹایا جائے اور یہودیوں سے زیادہ سے زیادہ روابط استوار کئے جائیں۔

پاکستان کے قیام کے بعد نئی اسلامی ریاست کیلئے جس اساسی کردار کا اعلان کیا گیا اس میں یہ بات درج ہے کہ یہودیوں کو اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عربوں کو اپنے گھروں سے بے دخل کر کے ایک اسرائیلی ریاست قائم کریں۔ یہ پالیسی ہمارے خارجہ روابط کا سنگ بنیاد ہے اور ہمارے ہاں ہر حکومت نے صدق دل سے اس پر عمل کیا ہے۔ لیکن مرزائی ٹولے نے اس سے ہٹ کر اپنے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے تل ابیب میں اپنا ایک مشن قائم کیا جو آج بھی وہاں اپنی سرگرمیوں کے کام کر رہا ہے۔ یہودیوں نے مرزائیوں کی ہر طرح سے پذیرائی کی۔ انہیں روزگار دیا، سرمایہ فراہم کیا اور اس کے عوض ان کی یہ ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ پاکستان کی مخبری کرتے رہیں۔ اور پاکستان کے بارے میں ہر وہ بات جو کسی اہمیت کی حامل ہو اسرائیل کو درآمد کرتے رہیں۔ اسرائیل نے مرزائی نوجوانوں کی عسکری تربیت بھی کی اور انہیں نوجوانوں کے ان دستوں میں شامل بھی کیا جنہوں نے ۱۹۶۷ء اور اس کے بعد عربوں سے لڑائی میں حصہ لیا۔ یہ دراصل پاکستان کے مرزائیوں ہی کے کردار کا نتیجہ تھا کہ یہودی وزیر اعظم بیگن کو یہ بات کہنے کی جرأت ہوئی تھی کہ اب اسرائیل عربوں کے بجائے پاکستان سے نمٹے گا۔

دوسری طرف مرزائیوں نے ہندوستان کی حکومت سے روابط بڑھائے اور انہیں یہ یقین دلایا کہ وہ بھارت کے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں۔ بھارت میں قادیان کی صورت میں ایک مرکز مرزائیوں کے پاس موجود تھا۔ چنانچہ اس مرکز کو پاکستان دشمن سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیا گیا۔ کئی اہم اور کلیدی عہدوں پر براجمان مرزائی پاکستان ہی میں بیٹھ کر پاکستان کو زخم لگاتے رہے ہیں۔

عوامی احتساب

حالیہ سطح پر پاکستان میں قادیانی ٹولے کا محاسبہ ۱۹۵۳ء میں کیا گیا۔ جب امیر شریعت حضرت سید مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مطالبہ کیا کہ اس ملک میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ ان کے اس اعلان کے ساتھ ہی ملک بھر میں ختم نبوت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے دوران لاہور میں مارشل لاء لگایا گیا اور ہزاروں افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ پاکستان میں بیلیوں نوجوانوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ ان جوانوں کا خون ختم نبوت کے ماتھے کے لئے روشنی بن گیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک اگرچہ کوئی فوری مقصد حاصل نہیں کیا جا سکا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری بیوروکریسی پر انگریزی اثرات ابھی بہت زیادہ نمایاں تھے۔ اور مرزائی اس پوزیشن میں تھے کہ وہ اس تحریک کو اپنے اثر و رسوخ اور سرمایہ سے نقصان پہنچاتے لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک تحریک ختم نبوت کا عنوان ہے۔ اس تحریک نے عام لوگوں کو یہ شعور دیا کہ مرزائی جو مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں، ایک نئے ملک کے لئے کس قدر خطرناک ہیں اور اسی شعور نے مرزائیت کے خلاف آئندہ تحریکوں کی راہ ہموار کی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک کی ظاہری ناکامی کے بعد مرزائی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ اب اس ملک میں وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عسکری تنظیم قائم کر لی۔ ربوہ میں کسی مسلمان کا داخل ہونا ناممکن بنا دیا گیا۔ قادیانیوں نے اخبارات، ریڈیو اور ابلاغ کے ذرائع میں اپنے آدمی لگوا دیئے جو مرزائیت کے خلاف ہر خبر کو ۱۸۰ کرنے کا فن جانتے تھے۔ اور جو بڑی نفاست اور صفائی سے مرزائیت کے نقطہ نظر کو آگے بڑھاتے تھے۔ ربوہ میں مرزائیوں کا سالانہ اجتماع قوت کا ایک ایسا مظاہرہ ہوتا، جس سے سارے ملک کے مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔

فروری ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں نے محض یہ دیکھنے کے لئے کہ مسلمانوں میں کتنی قوت مزاحمت باقی رہ گئی ہے ایک تجربہ کیا۔ لیکن یہی تجربہ ان کے لئے پیغام موت ثابت ہو گیا۔

فروری ۱۹۷۴ء میں مسلمان کھلاڑیوں کی ایک ٹیم ربوہ ریلوے سٹیشن سے گذر رہی تھی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ان نوجوانوں نے ربوہ سٹیشن پر نعرہ رسالت لگایا اور پھر اسی لمحے چراغ مصطفوی سے سرشار بولہبی کا ستیزہ کار ہونے کا وقت آ گیا۔ ان نوجوانوں کو فوری طور پر ٹرین سے اتار کر مرزائیوں نے انتہائی بے دردی سے زدوکوب کیا کہ ان میں سے کئی ناکارہ ہو گئے۔ یہ نوجوان جب اپنے گھروں کو پہنچے تو مرزائی طبقے کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ مرکزی مجلس عمل ختم نبوت نے اس واقعے کا فوری نوٹس لیا۔ اور مرزائیوں کے خلاف بھرپور تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۷۴ء کے موسم بہار میں تحریک شروع کر دی گئی اور پھر پورا ملک مرزائیت کے خلاف ایک اجتماعی احتجاج بن گیا۔ تحریک میں اتنی شدت آ گئی کہ تحریک پاکستان کی یاد پھر تازہ ہو گئی۔ ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں، ہر گھر اور فرد کا بس ایک ہی مطالبہ تھا۔ "مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دو۔"

تاریخی فیصلہ

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش کر دیا جہاں مرزائی قائدین کو بھی اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کا پورا پورا موقع دیا گیا۔ مرزا ناصر نے کہا کہ ہمارے نقطہ نظر کے مطابق صرف مرزائی سچے مسلمان ہیں۔ اور جو مرزائیوں کو مسلمان نہ مانتے خود غیر مسلم ہیں۔ سات ستمبر کو وزیر اعظم بھٹو نے قومی اسمبلی میں یہ تاریخ ساز اعلان کر دیا کہ آئین کی رو سے اب مرزائی اس ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے ہیں اور غیر مسلم اقلیتوں کو ایک اسلامی ریاست میں جو مراعات اور حقوق حاصل ہوتے ہیں وہ مرزائیوں کو حاصل ہوں گے۔ مرزائیوں کو آئین اور قانون طور پر اس کا پابند کیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہلا سکیں گے۔ اس فیصلے پر مرزائی حلقوں میں شدید رد عمل ہوا۔ عام توقع تھی کہ اب وہ ایک غیر مسلم اقلیت کی طرح پاکستان میں اپنی سرگرمیوں کو اپنی سماجی حدود اور اپنی عبادت گاہوں تک محدود رکھیں گے۔ لیکن ابھی اس فیصلے کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ پھر میدان عمل میں کود پڑے۔ انہوں نے پہلے کی طرح تبلیغی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اور مختلف محاذوں پر پاکستان کے خلاف ان کی معاندانہ کارروائیوں میں کوئی کمی نہ آئی۔

نواب محمد احمد خان کے قتل کیس میں جب پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دے دی اور جب ۱۹۷۹ء میں اس فیصلے پر عملدرآمد ہو گیا تو اس واقعے کو بھی مرزائیوں نے اپنے حق میں اچھالنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مرزا ناصر، مرزا طاہر اور دوسرے قادیانی اکابرین نے برملا کہا کہ بھٹو کو سزائے موت محض اس وجہ سے ملی ہے کہ اس نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ اس بات کا مقصد ایک تو مسلمانوں کے عقیدے میں تزلزل پیدا کرنا تھا اور دوسرے موجودہ حکومت پر ایک نفسیاتی اثر ڈالنا تھا کہ اگر وہ کبھی مرزائیوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی سوچے تو پہلے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے انجام پر غور کر لے۔ چنانچہ آئینی اور قانونی طور پر غیر مسلم قرار دیئے جانے کے باوجود مرزائی اپنی سرگرمیاں اسی تندہی سے جاری رکھے رہے۔

ان خبروں کی اشاعت کے بعد صدر ضیاء الحق انتخابات کرا کے اقتدار بالآخر سول عوامی نمائندوں کو منتقل کر دیں گے۔ قادیانیوں کی سرگرمیاں بالعموم طور پر بڑھنے لگیں۔ فروری میں ربوہ سے جاری شدہ ایک پمفلٹ لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ جس میں لوگوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مرزائی بھی اسی طرح محب وطن اور مسلمان ہیں جس طرح باقی لوگ۔ جب عوامی حلقوں نے اس پمفلٹ کا نوٹس لیا تو مرکزی تحریک ختم نبوت بھی حرکت میں آئی۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت یا تو مرزائیوں کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگا دے یا پھر ایک زبردست تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ مرکزی تحریک ختم نبوت کی مجلس عمل کی طرف سے ۲۷ اپریل کو دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں ایک روزہ کانفرنس طلب کر لی گئی۔ اور اس میں شرکت کے لئے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر کے مندوبین کو دعوت نامے جاری کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری اداروں میں موجود قادیانی عناصر بھی حرکت میں آ گئے اور انہوں نے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ یہ کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

حکومت کی مجبوریاں

ایک بے لاگ تجزیے سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ۲۶ اپریل کی شب صدر جنرل ضیاء الحق نے قادیانیوں کے بارے میں جس آرڈیننس کا اجراء کیا ہے، وہ اصل میں حکومت کی مجبوری بن چکی تھی۔ حکومت کے سامنے ۱۹۷۴ء کی تحریک کے اثرات بھی تھے جس سے معلوم ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ کتنا نازک اور حساس مسئلہ ہے اور اسے صرف امن و امان کا مسئلہ بنا کر حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلے سے مٹھی بھر اقلیت کے علاوہ کروڑوں عوام کے دل دھڑکتے رہیں۔ اور اگر یہ تحریک چل پڑتی تو پھر یہ حکومت کے بس کی بات نہ ہوتی کہ اسے روک دیا جائے۔ اس کے علاوہ اپوزیشن پارٹیاں بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھاتیں۔ اور موجودہ حکومت کو مرزائی نواز قرار دے کر لوگوں کو اس کے خلاف نو ستاروں پر ڈائمنڈ تک لے جانے کے لئے انہیں بنی بنائی سٹیج مل جاتی۔ اس کے علاوہ جنرل ضیاء کے خلاف ان افواہوں کو بھی تقویت حاصل ہو جاتی کہ صدر ضیاء الحق خود قادیانی ہیں۔

۲۷ اپریل کو ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہو چکا تھا۔ مقامی انتظامیہ نے تحریک کے سرکردہ اکابرین سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ کانفرنس ملتوی کر دیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر صدر ضیاء الحق ۲۶ اپریل کو مرزائیوں کے بارے میں آرڈیننس جاری نہ کرتے تو ایک روزہ کانفرنس ملک میں ایک ایسے طوفان کا پیش خیمہ بن جاتی۔ جس کی زد میں سب کچھ بہہ جاتا۔ ظاہر ہے کہ حکومت اپنی موجودہ کمزور سیاسی پوزیشن کے باعث اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حکومت نے بروقت ایک آرڈیننس جاری کر دیا جس میں کہا گیا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہو، خواہ وہ قادیانی یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا ہو زبانی یا تحریری یا کسی فعل سے کسی ایسے شخص کو امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ عنہ کہتا ہو جو آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا صحابہ میں سے نہ ہو۔ یا کسی ایسی خاتون کو ام المومنین کہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے نہ ہو یا کسی ایسے شخص کو اہل بیت کہتا ہو جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے نہ ہو یا اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہے تو وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ آرڈیننس کے ذریعے مرزائیوں کی اذان پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔

کانفرنس

۲۶ اپریل کی شام تک ملک کے ہر شہر سے مندوبین ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لئے راولپنڈی پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ صدارتی آرڈیننس کے اجراء پر ختم نبوت کی تحریک کی مرکزی مجلس عمل نے خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن حکومت نے کانفرنس کی شدت کو کم کرنے کے لئے مختلف مقامات پر ناکہ بندی کی۔ اور کانفرنس میں آنے والے قافلوں کو روک دیا۔

۲۷ تاریخ کو کانفرنس بخیر و خوبی منعقد ہوئی۔ صدارت تحریک ختم نبوت کی مرکزی مجلس عمل کے صدر اور سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد نے کی۔

خوشی لیکن ۔۔۔؟

اگرچہ مندوبین نے مرزائیوں کے بارے میں صدارتی آرڈیننس پر مسرت کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی ان شکوک کا بھی اظہار کیا کہ یہ آرڈیننس کہیں آرڈیننس تک ہی محدود نہ رہ جائے اور اس پر مکمل عملدرآمد کرایا جائے۔ ایک مقرر نے تو برملا کہہ دیا کہ ہمیں صدر ضیاء الحق کے وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں۔ مقررین نے مطالبہ کیا کہ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے۔ آرڈیننس پر شرح صدر سے عمل کیا جائے۔ آرڈیننس کی خلاف ورزی کرنے پر تین سال کی قید کی سزا کو ناکافی قرار دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ اس بارے میں ارتداد پر شرعی سزا کا اعلان کیا جائے۔ کانفرنس کے دوران مقررین نے کہا کہ تحریک ختم نبوت کا اصل کام اس آرڈیننس کے بعد سے شروع ہوگا۔ اور ملک کو اس فتنے سے مکمل طور پر پاک کرنے تک جاری رہے گا۔

راولپنڈی میں راجہ بازار اور نواحی مقامات پر لاکھوں کی تعداد میں لوگ کانفرنس میں شرکت کے لئے موجود تھے۔ ۱۰ گرد کے علاقوں میں مختلف جگہوں پر پولیس کے متعدد دستے تعینات کر دیئے تھے تاکہ کسی بھی ممکنہ گڑبڑ سے نمٹا جا سکے۔ اجلاس میں ممتاز شیعہ عالم علامہ غضنفر کراروی نے کہا کہ آج دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ اور اس اتحاد کی برکت سے آج ہم بھی چار یاری ہو گئے ہیں۔

جلسہ میں مولانا اسلم قریشی کے نوعمر صاحبزادے نے بھی شرکت کی۔ مولانا اسلم قریشی کو گذشتہ سال قادیانیوں نے اغوا کیا تھا اور یاد رہے کیا جاتا ہے کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔

اجلاس میں مولانا اسلم قریشی کے قتل کے الزام میں مرزا طاہر کو سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ جلسہ میں موجود حاضرین کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنے علاقوں میں مرزائیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں۔

پیغامبر
The Messenger
FORTNIGHTLY INDO-PAK NEWSPAPER
جہاں بیں میری فطرت ہے و لیکن ۔ کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

آئندہ انتخابات کے بارے میں ضروری وضاحتیں

وفاقی سیکرٹری اطلاعات لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے بی بی سی کے ایک انٹرویو کے دوران پاکستان کو درپیش سیاسی و آئینی مسائل پر تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ انتخابات ۸۴ء کے آئین کے تحت ہی ہوں گے۔ اور ان کے تمام مراحل مارچ ۸۵ء تک مکمل ہو جائیں گے انہوں نے کہا کہ عام انتخابات کا اس سال کے دوران انعقاد خارج از امکان نہیں البتہ ابھی اس بارے میں حتمی فیصلہ نہیں ہوا کہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں گے یا غیر جماعتی بنیادوں پر۔ تاہم اس بارے میں حتمی فیصلے کا اعلان مناسب وقت پر کر دیا جائے گا۔ اور اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ تمام انتخابی مراحل مناسب وقت پہ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکیں۔

اس ضمن میں سیاسی جماعتیں یہ تاثر دے رہی ہیں کہ اگر انتخابی شیڈول کا اعلان بلاتاخیر نہ کیا گیا تو انتخابات مقررہ میعاد میں نہیں ہو سکیں گے اور اگر ان میں سیاسی جماعتوں کو حصہ لینے کا موقع نہ دیا گیا تو مجوزہ انتخابات الیکشن نہیں بلکہ سلیکشن ہوں گے لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے ان دونوں باتوں کو مفروضہ قرار دیا ہے۔ حکومت کی جانب سے اس امر کی کئی بار تشہیر ہو چکی ہے کہ آئندہ انتخابی مہم کے لئے ڈیڑھ دو ماہ سے زائد وقت نہیں دیا جائے گا تاکہ قوم زیادہ دیر تک انتخابی ہیجان میں مبتلا نہ ہونے پائے اس لئے اگر انتخابات کے انعقاد سے دو ماہ قبل بھی انتخابی شیڈول کا اعلان کر دیا جائے تو انتخابات کے سارے مراحل مقررہ میعاد کے اندر طے پا جائیں گے۔ اسی طرح اس پورے انتخابی عمل کو سلیکشن سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

سیاسی جماعتوں میں یہ تاثر بھی پایا جاتا ہے کہ ریفرنڈم کے انعقاد کو عام انتخابات کا نعم البدل بنا لیا جائے گا۔ یا اس سے انتخابات کے انعقاد میں غیر معمولی تاخیر واقع ہو جائے گی۔ لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے اس ضمن میں یہ وضاحت کی ہے کہ ابھی ریفرنڈم کرانے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا بلکہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک امکان ظاہر کیا تھا کہ وہ اسلامی طرز حکومت کے مسئلے پر براہ راست عوام سے فیصلہ لینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ انہوں نے اس تاثر کو بھی بے بنیاد قرار دیا کہ صدر کا انتخاب اسمبلیوں کے انتخاب سے پہلے کرا لیا جائے گا۔

سیاسی جماعتوں نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں مجوزہ ترامیم کو بھی اختلافی مسئلہ بنا رکھا ہے اس بارے میں لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے یہ وضاحت کی ہے کہ آئین میں ترامیم صرف آئین کو زیادہ اسلامی بنانے اور صدر اور وزیراعظم کے اختیارات کو متوازن کرنے کی حد تک ہوں گی اور اس پر کوئی زیادہ اختلاف رائے موجود نہیں

جہاں تک انتخابات کے جماعتی یا غیر جماعتی بنیادوں پر کرانے کا تعلق ہے تو ابھی تک اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا۔ تاہم لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے اس ضمن میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ سیاسی جماعتیں چونکہ طویل مدت سے کالعدم ہیں اور ان کا عوام سے براہ راست رابطہ نہیں ہے اس لئے ان کی یہ رائے خلاف واقعہ ہے کہ غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات عوام کے لئے قابل قبول نہیں ہوں گے اس کے برعکس حکومت کا عوام کے ساتھ مختلف سطحوں پر رابطہ موجود ہے اور حکومت اس کی بنیاد پر یہ محسوس کرتی ہے کہ غیر جماعتی انتخابات عوام کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہیں اور صرف سیاسی جماعتیں ہی عوام سے لاتعلقی کی بنیاد پر اس کی مخالفت کر رہی ہیں۔ اس دعوے کو دو وجوہ کی بنا پر بے بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا اولاً موجودہ حکومت کے دور میں دو بار غیر جماعتی بنیادوں پر لوکل باڈیز کے انتخابات ہو چکے ہیں اور سیاسی جماعتوں کے مقاطعے کے باوجود عوام نے ان میں بھرپور حصہ لیا ہے اس لئے اگر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بھی غیر جماعتی بنیاد پر ہوئے تو ان میں عوام کی بڑی تعداد یقینی طور پر حصہ لے گی ثانیاً حکومت نے اپنے ۱۲ اگست کے اعلان سے قبل ذرائع ابلاغ بشمول ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعے عام لوگوں کو جماعتی یا غیر جماعتی انتخابات کے مسئلے پر کھل کر اظہار رائے کی دعوت دی اور اس طرح ملک بھر میں جو قومی مباحثہ ہوا اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوا کہ رائے عامہ اس مسئلے پر مساوی طور پر منقسم ہے اس لئے یہ کہنا سراسر غلط ہو گا کہ غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات عوام کے لئے یکسر ناقابل قبول ہوں گے۔ بہرحال ہمارے نزدیک اب بھی وقت ہے کہ ان تمام مسائل پر حکومت اور سیاستدانوں کے درمیان افہام و تفہیم کی کوئی صورت نکال لی جائے۔

سچی باتیں

(از مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم)

آج سے قبل، بہت قبل، دو ہزار سال سے بھی قبل، کہتے ہیں کہ خطۂ حکمت و دانش، یونان تمدن نشان کے مضافات میں علاقہ کپیڈوسیا (ایشیائے کوچک) میں، بحر اسود کے قریب، دریائے تھرموڈن کے کنارے، ایک جنگجو قوم آباد تھی، کام ہی لڑنا بھڑنا، مارنا مرنا تھا، ایک ایک فنون سپہ گری میں طاق، تیر اندازی میں مشاق، نیزہ بازی میں شہرۂ آفاق، ہمت و مردانگی کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی۔ نزدیک اور دور کی ہر قوم اس کے نام سے لرزتی ہوئی ——— مرد اس "جوان مرد قوم" میں ایک نہ تھا! جی! زیادہ و کم کا سوال نہیں، ایک بھی مرد اس ساری قوم میں نہ تھا، صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں! آبادی ساری عورتوں ہی کی! عورتیں ہی حاکم اور عورتیں ہی محکوم، عورت ہی بادشاہ، عورتیں ہی رعایا! عورتیں ہی پیدل، عورتیں ہی سوار! عمر بھر بغیر شادی بیاہ کے رہتیں، جب بچوں کی ضرورت ملک "و قوم" کو محسوس ہوتی، یہ شیر دل عورتیں پڑوس کے مردانہ ملکوں میں چند روز کے لئے چلی جاتیں، اور جب اولاد پیدا ہوتی، تو لڑکے سب ضائع کر دیئے جاتے یا غیر علاقوں میں اپنے باپوں کے پاس بھیج دیئے جاتے اور صرف بچیاں ہی زندہ رکھی جاتیں۔ وہ ایک خاص نظام کے ماتحت مردانہ تربیت پاتیں، اور دنیا پر اپنی مردانگی کا سکہ بٹھا دیتیں!

انگریزی کتابوں میں اس قوم کا نام Amazon ایمزن آتا ہے، دو یہ انہیں کا سا نام چاہیے تو ایمزنی کہہ لیجئے، یونانی زبان میں لفظ کے لغوی معنی ہیں "بغیر سینے کے" کلاسیکل ڈکشنری میں اس کی تشریح یہ لکھی ہے کہ لڑکی جب جوان ہوتی، تو داہنی طرف کا سینہ داغ داغ کر جلا دیا جاتا، تاکہ یہ سینہ ہاتھ کی سپاہیانہ جنبشوں میں مزاحم نہ رہے، اسی لئے قوم کا نام پڑ گیا "بغیر سینہ والیاں"! ——— مقصد گزارش صرف اس قدر ہے کہ "ترقی نسواں" کا یہ ہنگامہ جو آج بڑھتوں، بوڑھیوں تک کو بدمست کئے ہوئے ہے، اس میں جدت اور ندرت کا پہلو کون سا ہے؟ دنیا تو اس سے پہلے اس ترقی سے کہیں بڑھے چڑھے منظر دیکھ چکی ہے۔ عورت مرد پر غالب بار بار آ چکی ہے اور وہ سب کچھ کر گزری ہے جس کے تصور سے اچھے اچھے مرد بھی تھرا جاتے ہیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ کس قیمت پر اور اپنی ذات کو کتنے سستے داموں بیچ کر کے، برباد کر کے، ذبح کر کے!

ترقی کے اس میدان میں تو ابھی مشرقی عورت بہت پیچھے ہے، بہت ہی پیچھے ہے۔ اس معیار سے تو ابھی لندن کی زنانہ پولیس اور امریکا کی زنانہ خفیہ پولیس، اور جرمنی کی حسین جاسوسنیں اور روس کی زنانہ فوج، سب ہی ابھی پستی میں ہیں، تاریکی میں ہیں۔ حالت جمود میں ہیں، یہاں تو ابھی "ترقی و تجدد" کا کل کمالات بس اس قدر ہے کہ کوئی بی اے کا امتحان پاس کر لیا، اونچی کی ڈگری حاصل کر لی، زنانہ کانفرنسوں میں خطبۂ صدارت کا یا کسی تجویز پر تقریر کا موقع مل گیا تو اسٹیج پر چلا ڈالا، کونسل یا اسمبلی میں پہنچ گئیں تو ایوان کے در و دیوار میں زلزلہ ڈال دیا، زلفیں کتا ڈالیں، بے پردہ کر دیا، "فتح حق" کا لٹریچر پڑھ ڈالا، اس "علم" کو "عمل" میں تبدیل کر لیا! ——— ابھی بیسویں صدی عیسوی کی ایمزنیاں پیدا کہاں ہوئی ہیں؟ جب ابھی مغرب ہی میں نہیں وجود میں آئی ہیں تو مشرق میں کہاں سے نمودار ہو سکتی ہیں؟ غالب نے کیا خوب اپنے ایک مقطع میں کہا ہے کہ نظیری کے مرتبہ پر جب عرفی بھی نہ پہنچ سکا، تو ما غالب بیچارہ کس شمار قطار میں ہے؟

غالب چہ خیال است رسیدن بہ نظیری
عرفی بہ نظیری نرساند سخن را

کرنیں

محمد فلاحی ———

- جینے کی تمنا ہو تو ماں باپ اور بزرگان دین کی دعا لو۔
- رونے کی تمنا ہو تو اپنے برے اعمال پر رو دو۔
- بیٹھنے کی تمنا ہو تو نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔
- جینے کی تمنا ہو تو دیندار اور مسلمان بن کر جیو۔
- مرنے کی تمنا ہو تو صدیقین، شہداء اور صالحین کی موت مرو۔
- مارنے کی تمنا ہو تو اپنے نفس کو مار دو۔

ثوبی ———

- خزاؤں میں جو پتے اپنے ڈال سے بچھڑ جاتے ہیں وہ دوبارہ نہیں مل سکتے۔ تیز ہوائیں انہیں اڑا کر اپنے ساتھ لے جاتی ہیں اور پھر پتے اور ڈالیاں ایک دوسرے کو کتنا ہی پکاریں، کتنا ہی ملنا چاہیں نہیں مل سکتے۔ فاصلے بڑھتے ہیں اور بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

فرحانہ ———

- لا حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا بشرطیکہ تمہارے اندر اسے پانے کا جذبہ سچا اور پرخلوص ہو اور جب انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو صدیوں کے فاصلے لمحوں میں بدل جاتے ہیں اور اپنے اندر جو یادوں کی دنیا آباد ہوتی ہے وہ خوشگوار ہو جاتی ہے۔ پھر خود کو ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی کہ اسے بھلایا جائے بلکہ دل ہر لمحے یہ چاہتا ہے کہ اسی کی یاد ساتھ سے اور وہ اٹھتے بیٹھتے سانسوں میں رچ بس جائے۔

کوثر ———

- اگر تم تنہا ہو اور وقت کے دل شکن لمحات تمہارے سینے کے محسوسات کو پامال کر رہے ہیں تو کیا ہوا۔ تم اس دنیا میں اکیلے ہی آئے تھے اکیلے ہی جاؤ گے۔ جب قدرت نے تمہیں اکیلا ہی خلق کیا ہے تو پھر تنہائی سے کیوں گھبراتے ہو۔ بہتر ہے کہ تم تنہائی اختیار کر لو اور خود ہی اپنے غم کا علاج بن جاؤ اس میں کچھ نقصان نہیں ہے اگر تمہیں رفیق، مونس اور ہمدم کی ضرورت ہو تو تم سے بہتر تمہارا کوئی دوست نہیں۔

نسیم شاہین ———

- ہم لوگ اکثر سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خدمت خلق کا جذبہ دے کر پیدا کیا ہے لیکن وہ بیچارہ کر اپنا مقصد بھول چکا ہے۔ آج کا انسان دوسرے انسانوں پر اس طرح ظلم کرتا ہے کہ انسانیت شرما نے لگتی ہے لیکن اس کی آنکھوں میں ذرا بھی آنسو نہیں آتے۔ یہ ظلم و ستم نجانے کب تک جاری رہیں گے۔ انسان اپنے فائدے کی خاطر کب تک دوسروں کا خون بہاتا رہے گا۔ کبھی اسے اپنے سنبھلنے کا خیال آئے گا بھی یا نہیں۔

بندھن یا کچے دھاگے

رحیلہ مسعود شیخ

محترم! السلام علیکم

ایک مضمون "بندھن یا کچے دھاگے" اس امید پر بھیج رہی ہوں کہ قریبی اشاعت میں شائع کر کے مشکور ہونے کا موقع دینگے۔

والسلام

رحیلہ مسعود شیخ
ٹورانٹو

شادی ایک مقدس فریضہ ہے

جو ماں و باپ کی رائے یا اپنی پسند سے انجام پاتا ہے اور خاندان کی بنیاد کا ذریعہ بنتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے طلاق کی شرح میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے، خاص کر کینیڈا اور مغربی ممالک میں۔ ایک سروے کے مطابق ہندو پاک کی کمیونٹی میں طلاق کی شرح ۴۸ فیصد ہے۔ جبکہ دس سال پہلے یہ شرح صرف ۱۱ فیصد تھی۔

شادی کو ہمارے معاشرے میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ۷۵ فیصد شادیاں باقاعدہ یعنی ماں، باپ یا بزرگوں کی مرضی طے پاتی ہیں۔ والدین اپنے بچوں کا اچھا برا سمجھتے ہیں اور پھر ہماری روایت کے مطابق یہ شادیاں اکثر کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ لڑکا، لڑکی ایک دوسرے کیلئے بالکل اجنبی ہوتے۔ وطن عزیز میں ایسی ہی شادیاں کامیاب ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہاں مشترکہ خاندان کا رواج ہے۔ میاں و بیوی کے مسائل، ساس وسسر ہی حل کردیتے ہیں۔ اگر کوئی فریق زیادتی کرے تو بزرگوں کے سمجھانے سے مسئلہ فوراً حل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس یہاں پر ۹۵ فیصد جوڑے اکیلے زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ شروع کے چند دن تو بہت اچھے گزرتے ہیں بعد میں ایک دوسرے کی خامیوں کی تلاش شروع ہوتی ہے۔ نکتہ چینی کا آغاز ہوتا ہے اور پھر بات بڑھتے بڑھتے لڑائی جھگڑے سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ کوئی سمجھانے والا نہیں ہوتا اور یہی آئے دن کے جھگڑے انجام میں طلاق کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔

یہاں شادیوں کی ناکامی کا سبب معاشی خوشحالی کی دوڑ ہے۔ اگر دیکھا گیا ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں میاں بیوی دونوں نوکری کرتے ہیں۔ اس سے نہ صرف گھر کا سکون تباہ ہوتا ہے بلکہ زندگیاں تباہ ہوتی ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مغربی ممالک کے جہاں بیوی شوہر جب کام کرتے ہیں تو اکثر بیل بل کر گھر کے جملہ کام کرتے ہیں اور مشرقی خاوند جب گھر آتا ہے تو مکمل خاوند کا روپ دھار لیتا ہے۔ ملازمت کرنے والی بیوی چاہتی ہے کہ اس کی بیوی تھکی ماندی آتی ہے لیکن اس کی خود داری اسے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ معمولی معمولی باتوں پر ہر کام کرے۔ بیوی بھی تھکی ہوئی کو ذاتی کام تو کرنے لگتی ہے لیکن دل میں نفرت کا لاوا پکتا رہتا ہے۔ اور یہی حالات تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ جب عورت نوکری کرتی ہے تو اس کے اندر احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں اپنا خود کما سکتی ہوں۔ معمولی معمولی جب طول پکڑتے ہیں تو یہی احساس تیزی پا جاتی ہے۔ خاوند کے رعب کو برداشت کرنے کی بجائے اس سے چھٹکارا پانے میں عافیت سمجھی جاتی ہے۔

(خود عورت سے معذرت کے ساتھ)

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں باہر آدمی خوبصورت نگاہ دیکھتا ہے اور گھر میں ایسی ہی شریف گھر گرہستی عورت ہی اس کی قدر تلاش کرتا ہے۔ صرف چند ایسے ہونگے جو اپنی بیوی کی حقیقی خوبصورتی پر کھتے ہیں ورنہ یہ بات بھی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے معاشرہ میں طلاق کا لفظ گالی کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ اس عورت کی طرف سب لوگ بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ طلاق شدہ عورت کا جینا محال ہوتا ہے خاص طور پر جبکہ معاشی لحاظ سے کمزور ہو، اس کو ذریعہ معاش، بچوں کی پرورش اور دیگر تحفظ کے لیے آنے مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اکثر لڑکیاں گھر کے ناقابل برداشت حالات اور بے صبری شوہر کے ساتھ برداشت کرتی رہتی ہیں کہ اس طلاق کی آفت سے بچی رہیں۔ اور یہاں کینیڈا میں طلاق کا لفظ ایک فیشن کی طرح لیا جاتا ہے۔ علیحدگی اختیار کرنے والی عورت کو حکومت نے کافی تحفظ دے رکھا ہے۔ رہائش، الاؤنس اور دیگر سہولتیں۔ اس لئے اکثر خود غرض خاوند سے چھٹکارا پا کر خوش وخرم زندگی بسر کرتی ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیوی سارا ہفتہ گھر داری اور بچوں میں لگی رہتی ہے اور ہفتے کے آخر میں اس کا دل چاہتا ہے کہ گھومے پھرے۔ اکثر گھرانوں میں جھگڑے اسی بات پر ہوتے ہیں۔ خاوند حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سارا ہفتہ کام کیا ہے دو دن آرام کے ہیں۔ اگر تھوڑا سا دل مضبوط کر کے سوچا جائے تو گھر کی چار دیواری کی زندگی کتنی کٹھن ہے۔ ہر کام خود کرنا پڑتا ہے اور ہر انسان تھک جاتا ہے اگر چند گھنٹوں کی تفریح بیوی بچوں کو خوش کر سکتی ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ یہی معمولی باتیں تلخ حالات پیدا کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ قابلیت کے معیار کا فرق بھی ایک اہم وجہ ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ میاں یا بیوی میں کوئی تعلیمی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر میاں زیادہ تعلیم یافتہ ہے تو بیوی کو ہر معاملہ میں طعنہ زنی کرے گا، نیچا دکھائے گا اور اگر معاملہ برعکس ہو تو پھر بیوی زیادہ "نرم" گفتگو شوہر کی آتی ہے۔ اس پر زیادہ رعب رکھے گی تاکہ وہ کسی دھاک نہ جما لے۔ یہ سب باتیں اور نتیجہ طلاق۔

یہ درست ہے کہ جس پر گزرتی ہے وہ جانتا ہے۔ کیا ہم نے طلاق کے نتیجے کے اثرات پر غور کیا؟ میاں بیوی کی علیحدگی سے سب سے زیادہ متاثر کون ہوتا ہے؟ میاں اکثر نئی شادی کر لیتے ہیں اور بعض لوگ بیوی بھی۔ انہیں تو نئی زندگی کی راہیں مل گئیں لیکن ان معصوم بچوں کا کیا قصور جن کیلئے نہ ماں رہتی ہے نہ باپ۔ اور جو عدم تحفظ کی زندگی گزارتے ہیں۔

وہ گزارتے ہیں بطور کریک ننگے گھر سے اجڑ جاتے ہیں۔ ایسے ہی بچے بیشتر حالات میں مجرم، منشیات کے عادی اور آوارہ بن جاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان معصوموں کی خاطر جن کے آگے ساری زندگی پڑی ہے، اپنی زندگی وقف کر دی جائے۔

اور سب سے بڑھ کر مذہب پر کاربند ہونے سے کافی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اپنی زندگی سادہ رکھی جائے اور خوب سے خوب تر کی بجائے جو مل جائے اسی پر صبر کیا جائے تاکہ کم از کم زندگی میں سکون تو رہے۔ ایک دوسرے کی خامیوں کو نظر انداز کیا جائے۔ بعض اوقات صبر کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اگر ایک فریق دوسرے کی زیادتیاں برداشت کرتا رہے تو وہ کہاں تک زیادتی کرے گا۔ پچھلے دنوں ٹی وی ہے ہیمیلٹن کینیڈا کا مشاہدہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سو سال کی عمر کا اپنا جشن منانے والی خاتون کی ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ جب ان اور جسی عادات کا ساتھی ملے اسے اپنا لو نہ کہ اسے بدلنے کی کوشش کرو۔ یہ بہت اچھا اصول ہے ہر انسان مکمل نہیں ہوتا اس لیے اپنے ساتھی کو خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اپنا لینا ہی عقلمندی ہے۔ شادی کو ایک مقدس مذہبی فریضہ سمجھا جائے نہ کہ کچے دھاگے کی مانند جب چاہا توڑ دیا۔ ننھے منے بچوں کی آئندہ زندگی سنوارنے کیلئے گھر کا ماحول خوشگوار رکھا جائے ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کرنا چاہیئے۔ ہر وقت کی نکتہ چینی کی بجائے کسی مناسب موقع پر نرمی اور خوش طریقہ سے بات کی جائے اور سب سے بڑھ کر اسلامی طرز زندگی کو اپنا کر بہت سے مسائل کا حل پیدا کیا جاسکتا ہے۔

بقیہ: صدر ضیاء

قومی اسمبلی کے سیاست دان ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی پر اصرار کریں اور صدر صاحب کو آئین میں ترامیم کرنے کی اجازت دے کر ان ترامیم کے برقرار رکھے جانے کی ضمانت دے دیں۔ ان اسمبلیوں کے انتخابات کے دوران صدر صاحب برسر اقتدار رہیں چونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں صدارت کا امیدوار نہیں ہوں۔ اس لئے نئے صدر کا انتخاب ہوتے ہی انہیں فارغ کیا جاسکتا ہے یا ان سلامتی قومی کونسل کی شق کو نئی اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑا جاسکتا ہے۔

در اصل صدر محترم پر مارشل لاء کے بل بوتے پر اسلامی نظام کے نفاذ کی دھن اس طرح سوار رہی ہے کہ دیگر تمام آئینی اور معاشرتی تقاضے نظر انداز کر گئے ہیں۔ اب ان پر یہ حقیقت حال واضح ہو گئی ہو گی کہ فرقوں کی موجودگی میں ایک متفقہ اسلام کا نفاذ ناممکن ہے۔ دیت اور قصاص کے قانون کا جو حال مجلس شوریٰ میں ہوا ہے وہ سب پر واضح ہے۔ فرقوں کو ایک نقطہ پر اس وجہ سے یکجا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے لئے آخری مسلمان کے کسی نہ کسی امام یا شخصیت پر جا کر ختم ہوتی ہے جو دوسرے فرقے کے لئے قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس کے لئے اگر علماء اور دانشور حضرات کو "اجتہاد" کے اصول پر متفق رائے کرنے کو زیادہ بہتر ہوتا یعنی قرآن و سنت کی روشنی میں زمانہ کے حالات کے تقاضوں کے مطابق فقہی قوانین کو از سر نو تشکیل کیا جائے۔ چاہے وہ کسی امام کے مسلک یا کسی ضعیف حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اصول قیاس یا اجماع کے مطابق ہے وہ اس بات کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ دینی فیصلے بھی سیاسی اجماع کی قوت سے ہی موثر ہو سکتے ہیں۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ قومی اسمبلی نے ہی تو کیا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دینی مسائل کے حل کے لئے ہی "اثبات تغیر" کا نسخہ تجویز فرمایا تھا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس اصول کو اپنائے بغیر دینی مسائل کا کوئی متفقہ حل موجود نہیں۔ فقہ حنفی کے نفاذ کی حالیہ کوششیں جس میں حالات زمانہ کو نظر انداز کر دیا جائے کبھی بھی ایک متفقہ نظام کے نفاذ میں کامیاب ثابت نہ ہوں گی۔

حیرت ہوتی ہے کہ ملک میں سوائے کنفیوژن کے کچھ نظر نہیں آتا۔ امن امان میں گڑبڑ، سیاسی حالات میں گڑبڑ، اقتصادی حالات میں تنزل، جرائم میں اضافہ، آخر یہ سب کیا ہے اور یہ سب کچھ مارشل لاء کی موجودگی میں ہو رہا ہے اب بھی مارشل لاء ہے لیکن سندھ میں امن و امان کے حالات میں ابتری کا خود صدر صاحب نے اعتراف کیا ہے۔ قادیانیوں کے بارے میں صدر صاحب نے حال ہی میں جو فیصلہ کیا اس تک پہنچنے میں بھی سیاسی حالات کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا ہے جس طرح طلبہ کی یونینوں پر پابندی لگانے کے معاملہ میں کیا گیا تھا۔ یہ بات صدر صاحب سے بھی پوشیدہ نہ ہو گی کہ قادیانی اور یہودی ایک ہیں۔ اس طرح اسرائیل، اور امریکہ کا گٹھ جوڑ وجود میں آچکا ہے جب بھٹو مرحوم کو قادیانیوں کے خلاف ایکشن لینے کا مشورہ دیا گیا تھا تو انہوں نے مشورہ دینے والے سے کہا تھا کہ تمہیں میری حکومت پسند نہیں کیونکہ اس ایکشن کے بعد امریکہ اور اسرائیل مجھے برسر اقتدار رہنے نہیں دیں گے۔ اسرائیل اور امریکہ کی اس ہم نوائی اور حمایت کی وجہ یہ ہے کہ قادیانی مسلک میں جہاد حرام ہے (نعوذ باللہ) اور مسلمانوں کا جہاد کے بارے میں والہانہ شوق اور رغبت مغربی ممالک کو ناپسند ہے۔ ۱۹۷۵ء میں جب شاہ خالد مرحوم نے اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا تو اسرائیل اور امریکہ نے اس اعلان کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا وہ اسے حالت جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ مغرب خود دن رات جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اس لئے صدر صاحب کے حالیہ اعلان کا ردعمل ضرور ہوگا۔ چاہے اسے حقوق انسانی کی خلاف ورزی یعنی آزادی رائے پر قدغن کی صورت ہی کیوں نہ دے دی جائے۔

راقم الحروف کے خیال میں تبلیغ پر قدغن بلاوجہ ہے کیونکہ پاکستان میں کوئی بھی مسلمان اب بیگراہی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ اور نہ پاکستان میں قادیانیوں کے اضافہ کی کوئی امید ہے۔ ان کے لٹریچر کو کوئی چھوتا تک نہیں۔ اس لئے اس پابندی سے فائدہ کی بجائے نقصان ہی ہوگا۔ اگر سکھوں اور دیگر فرقوں کو بھی اپنی تبلیغ سے منع کر دیا گیا تو اس کے نتائج سیاسی طور پر بہت دور رس ہوں گے اب انہیں مسلمانوں کی اصطلاحات سے الگ رکھنے کا جو قدم اٹھایا ہے یہ جائز اور صحیح ہونے کے باوجود سیاسی اغراض سے خالی نہیں۔ اس پر مفصل بحث پھر ہوگی انشاء اللہ۔

حوصلہ افزائی

ایک محترمہ نے ابراہیم لنکن کو خط لکھا کہ اس کے دو نوجوان بیٹوں کو کام پر لگا دیا جائے۔

لنکن نے جواب میں خاتون کو لکھا: "اس وقت کی حالت کے پیش نظر میں آپ کے دونوں بیٹوں کو کام دینا چاہتا ہوں اگر ممکن ہو تو انہیں کام پر لگا دو۔ کیونکہ کام چاہنے والوں کا ملنا مشکل ہے گو میرے خیال میں ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔"

خیال مرگ

ابن قتیبہ نے ایک شعر لکھا ایک بار اس کی خالہ انکسے سے ہوئی۔ باتوں باتوں میں انشب رونے لگا۔ ابن خیاب نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا:

"ہمیشہ کیلئے کسی پودے کے مانند ہوں کہ جب اس کا پکا شگوفہ پلٹتا ہے۔ تو اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح میری عمر بھی جیسے جیسے ہو رہی ہے ہو گئے ہیں چنانچہ اب میری موت کے خیال سے ڈرنے لگا ہوں۔"

مشورہ

جلال الدین ملک شاہ سلجوقی نے عمر خیام کو لکھا: "میرے پاؤں شیر کی رکاب میں ہیں اور سلطنت کے کام سنبھالنے میں ہیں اس کے لئے کوئی اچھا سا لباس بھیجئے۔"

خیام نے جواب میں لکھا: "عقل، نیکی، اور صداقت کے لئے استعمال کیجئے۔"

خدا کا خوف

ایک شخص نے ایک دوسرے آدمی سے پوچھا "تم سب سے زیادہ کس سے ڈرتے ہو؟"

"خدا سے" دوسرے نے جواب دیا۔

"کیا تم غیر شادی شدہ ہو؟" پہلے نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"پھر تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"جناب میں بالکل سچ بول رہا ہوں کیونکہ میری بیوی بھی خدا سے ڈرتی ہے۔" دوسرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

لاعلاج

حاسدانہ کاوشٹ استوار پاگل ہو گیا تو ڈاکٹروں نے دیگر ادویہ کے علاوہ اس کے لئے شطرنج کھیلنے کا علاج بھی تجویز کیا۔ چنانچہ شطرنج کھیلنے کے لئے ایک تجربہ کار نوجوان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ وہ نوجوان پانچ سال تک کاونٹ کے ساتھ شطرنج کھیلتا رہا۔ اس سے کاونٹ کو واقعی افاقہ ہوا اور پانچ سال کے عرصہ میں وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اسی اثنا میں وہ نوجوان اتنا پاگل ہو چکا تھا کہ ڈاکٹروں کو اسے لاعلاج قرار دینا پڑا۔

سکھوں کی تحریک آزادی

گذشتہ ۶ ماہ کے دوران

۶۰۰ سے زائد سکھوں کو بھارتی پولیس قتل کر چکی ہے

گذشتہ سال نومبر کے آخر میں برطانیہ، پاکستان اور بھارت کے اخبارات نے ایک سکھ اخبار نویس ترسیم سنگھ ہیرپال کے بارے میں ایک سنسنی خیز خبر شائع کی ہے ترسیم سنگھ لندن سے شائع ہونے والے جریدے "دو دیس پردیس" کے ایڈیٹر ہیں اخبارات کے مطابق انہیں اس وقت بھارت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا ہے جب وہ اپنی سرطان زدہ ماں کی عیادت کرنے انگلستان سے جالندھر پہنچے تھے، خبر میں کہا گیا تھا کہ سکھ اخبار نویس اپنی ماں کے ہسپتال کے آخری دیدار کرنے آسکے تھے۔ جو ہسپتال کے بستر پر اپنے سانس گن رہی تھی، لیکن اندرا کانگریس کے مقامی لیڈروں نے جو ہر ممتاز سکھ شخصیت پر نظر رکھنا اپنا سیاسی فرض سمجھتے ہیں پولیس کو مشورہ دیا کہ انہیں ملک سے نکال دے پولیس نے ترسیم کے گھر پر دھاوا بول کر ان کے پاسپورٹ اور دوسری سفری دستاویزات پر قبضہ کیا اور پھر انہیں چند گھنٹوں میں گرفتار کر کے نئی دہلی لے گئی، جہاں وہ اپنی ماں سے ملنے گئے تھے۔

یہ ان ہزاروں کہانیوں میں سے ایک ہے جو مشرقی پنجاب میں گھر گھر قریہ قریہ دہرائی جاتی ہیں اور جن کے بل پر نفرتوں کی لنکا صوبے کے طول و عرض میں پروان چڑھ رہی ہے، سرطان زدہ ماں اور پردیس میں رہنے ...

نفرتوں کی طرح ان کی مجبوری کی کہانی بھی تاریخ کا حصہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

۱۹۵۰ء کے عشرے میں جب سے مشرقی پنجاب کی سکھ قیادت کا تصادم نیا دہلی کے حکمرانوں کے حقوق و حیات کے ٹوٹنے سے ہوا جو سکھوں نے نہرو اور گاندھی سے وابستہ کر لی تھیں۔ سکھ کانگریس کا جانشین خیال یہ تھا کہ آزادی کے بعد صرف یہ کہ وہ پنجاب کی حدود میں خود مختار اور غالب ہو جائیں گے بلکہ ان کی روایات اور مذہب کو ہندوستان میں سرکاری سطح پر خاص اہمیت اور وقار حاصل ہوگا۔ اس کے پیچھے غالباً یہ احساس کار فرما تھا کہ کانگریس کی سیاسی کامیابیوں میں سکھوں نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے اور بھارتی ہندو، سکھوں کے سیاسی مقروض ہیں۔

مرکزی حکومت کے بے لچک رویے نے جلد ہی پنجاب میں احتجاج کی لہر اٹھائی اور ماسٹر تارا سنگھ جیسے لیڈروں نے طویل بھوک ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعے اس احتجاج کو گہرا اور وسیع کر دیا۔ سکھ قیادت اس دور میں اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں ناکام رہی اس میں ایک نئے سیاسی عنصر نے بھی اہم کردار ادا کیا ...

یہ امر سے لے کر ہندو گھرانوں میں ہندی بولنے کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ ہزاروں سال سے پنجاب میں آباد ہونے کے باوجود وہ اپنے معاملات کے لئے دہلی کی طرف دیکھتے ہیں، یہ بات اہم ہے کہ پنجابی ہندوؤں کو بھارت کے کسی بھی دوسرے علاقے کے ہندوؤں سے مذہبی طور پر زیادہ سخت گیر سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ اصولی طور پر دونوں طرف سے مذاکرات کی نفی نہیں کی جاتی لیکن صوبے کی صورت حال پر نظر رکھنے والے مبصرین کا خیال ہے کہ مستقبل قریب میں نتیجہ خیز مذاکرات شروع ہونے تک "پنجابی مسئلے" کی صورت حال کیا ہوگی؟ اس سوال کے جواب میں بیشتر مبصرین یہ رائے دیتے ہیں کہ مسز اندرا گاندھی اور حکمران کانگریس کے سیاسی مفادات سکھوں کے ساتھ ان کی مفاہمت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس طرح کی مفاہمت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، یوں سکھوں کے بڑے بڑے بنیادی مطالبات میں ایک بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ صورتحال سکھ آبادی بالخصوص نوجوانوں میں مزید انتہا پسندی پیدا کرے گی۔ یوں سکھ قیادت چاہے یا نہ چاہے اسے تصادم کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا، پولیس اور دوسرے سرکاری محکموں میں موجود سکھ ملازمین پہلے ہی فرقہ وارانہ فضا سے متاثر ہو رہے ہیں، بعض مبصرین کے خیال ...

"خالصتان" اور پولینڈ کے مسئلے میں کچھ زیادہ فرق نہیں

صوبائی خود مختاری کا نعرہ اب آزاد خالصتان تک آ پہنچا ہے

دو ماہ قبل سکھ فوجیوں نے کشمیر کی کنٹرول لائن پر پاکستانی علاقے میں فائرنگ کرنے سے انکار کر دیا تھا

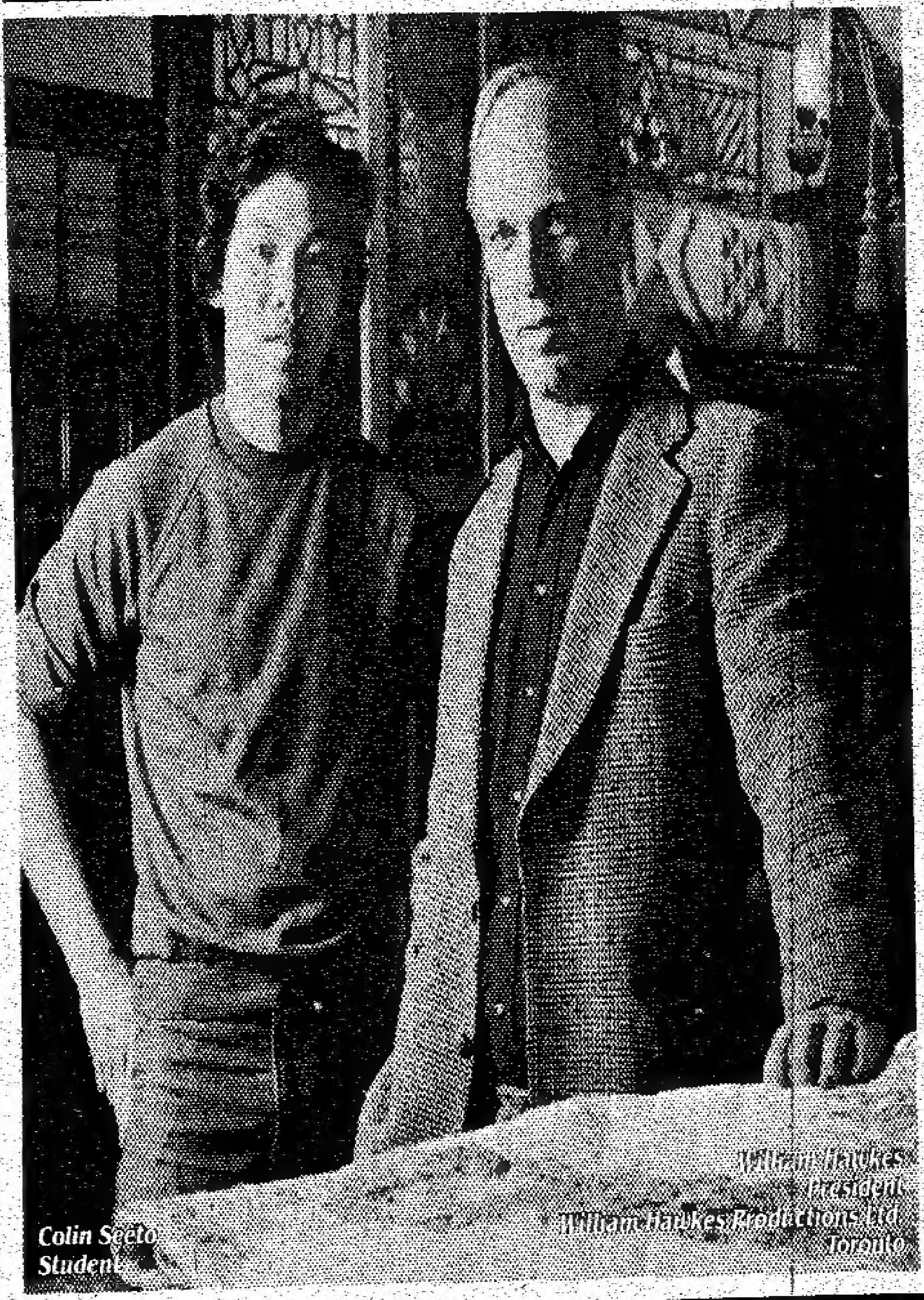

Colin Szeto
Student

William Hawkes
President
William Hawkes Productions Ltd.
Toronto

The Ontario Youth Employment Program pays $1.25 per hour towards Colin's salary.

Need help this summer? Ontario business people and farmers who hire youth to do extra work, can get help in paying wages…through the ONTARIO YOUTH EMPLOYMENT PROGRAM.

EMPLOYERS MUST:

- create new work, in addition to the regular and seasonal employment normally provided during the program period.
- be able to provide 25-40 hours of supervised employment a week for between 8 and 20 consecutive weeks.
- have actively operated a business or farm in Ontario for at least one year prior to April 16, 1984.

EMPLOYEES MUST:

- be 15 to 24 years old
- reside and be eligible to work in Ontario
- not be related to the employer

THIS YEAR OYEP RUNS FROM APRIL 16 TO OCTOBER 20. OYEP is a popular program. Apply now. Deadline for application is June 8, 1984, or earlier if all funds have been allocated.

To find out if your business is eligible, call 1-800-387-1290.

Ontario Youth Employment Program

1-800-387-1290

Ontario, Helping You Hire the Help You Need.

ONTARIO YOUTH EMPLOYMENT PROGRAM
Ministry of Municipal Affairs and Housing
Subsidies Branch,
Queen's Park Toronto, Ontario M5G 2E5

Ontario — Ministry of Municipal Affairs And Housing
Claude Bennett, Minister
William Davis, Premier

کیا اس موسم گرما میں مدد درکار ہے؟ اونٹاریو کے تاجر اور فارمرز جو نوجوانوں کو ملازمتیں فراہم کرینگے ان کی اجرت کی ادائیگی میں مالی مدد حاصل کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے اونٹاریو یوتھ ایمپلائمنٹ پروگرام حاضر ہے۔

آجر کیلئے ضروری ہے: • کہ نئی ملازمت کیلئے مزید کام کی گنجائش نکالیں جو کہ نوجوانوں سے لیا جاسکے۔ • سپروائزر کی نگرانی میں روزانہ ۲۵-۴۰ گھنٹے کا کام فراہم کیا جائے جو ۸ اور ۲۰ ہفتے کے درمیان ہو۔ • ۱۶ اپریل ۱۹۸۴ء تک کاروبار یا فارم کو مسلسل کام کرتے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو چکا ہو۔

ملازم کیلئے ضروری ہے: • ۱۵ تا ۲۴ سال کی عمر کے ہوں۔ • اونٹاریو میں رہائش پذیر ہوں اور کام کرنے کا حق ہو۔ • آجر کے رشتہ دار نہ ہوں — اسی سال یہ پروگرام ۱۶ اپریل سے ۲۰ اکتوبر تک کام کریگا۔ درخواست کی آخری تاریخ ۸ جون ہے۔

مزید معلومات کیلئے فون کیجئے۔ فون نمبر ہے۔ 1-800-387-1290.

VISIT US FOR best quality

INDIAN GROCERIES, FRESH VEGETABLES, NUTS, SPICES ETC.

گروسری، تازہ سبزیاں اور مصالحہ جات نہایت ہی سستے داموں پر خریدنے کیلئے ہمارے ہاں تشریف لائیں

The Home of fresh & canned foods
from East & West Indies & Philippines
WE JET'EM IN
NAME IT . . . . WE HAVE IT

Pirri's Dixieland Market Ltd.

1108 PHARMACY AVE. (AT LAWRENCE) SCARBOROUGH.
PHONE: 759-0473
-OR-
1052 BIRCHMOUNT RD. SCARBOROUGH.
PHONE: 759-5214

بقیہ روزہ پچاسویں صفحہ 7

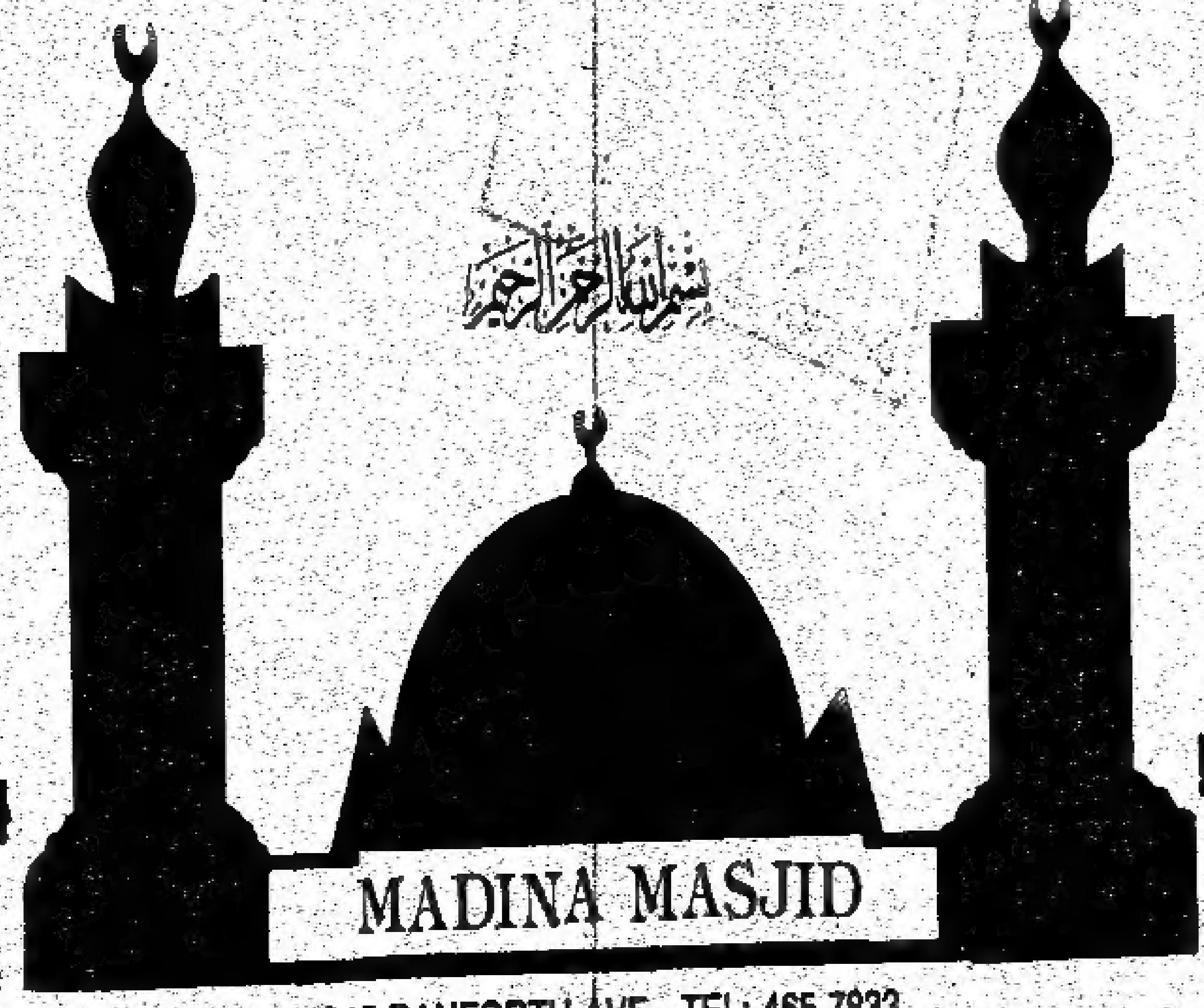

1015 DANFORTH AVE. TEL: 465-7833

RAMADAN

TIME TABLE FOR TORONTO & VICINITY

INTENTION

IS AN ESSENTIAL REQUIREMENT FOR FASTING. THE WORDING IN ARABIC ARE: وبصوم غد نويت من شهر رمضان.

WHICH MEANS "I INTEND TO FAST TOMORROW IN THE MONTH OF RAMADAN.

BREAKING FAST

WHEN THE SUN HAS SET, BREAK THE FAST WITH FOLLOWING WORDS:-
اللهم لك صمت وبك آمنت وعليك توكلت
وعلى رزقك أفطرت

O, ALLAH I KEEP FAST FOR YOUR SAKE AND BELIEVED IN YOU, I PUT IN YOU MY TRUST AND BREAK MY FAST WITH FOOD PROVIDED BY YOU.

	DATE	DAY	DATE	FINISH EATING	FAJR	SUNRISE	ZUHR	ASR	SUNRISE	ISHA
1984										
MAY	31	Thurs.	1	3:44	3:54	5:40	1:15	6:32	8:53	10:15
JUNE	1	Fri.	2	3:43	3:53	5:39	1:15	6:32	8:54	10:15
	2	Sat.	3	3:42	3:52	5:39	1:15	6:33	8:55	10:15
	3	Sun.	4	3:41	3:51	5:38	1:16	6:33	8:56	10:15
	4	Mon.	5	3:41	3:51	5:38	1:16	6:34	8:56	10:15
	5	Tues.	6	3:40	3:50	5:37	1:16	6:34	8:57	10:15
	6	Wed.	7	3:39	3:49	5:36	1:16	6:35	8:58	10:15
	7	Thrus.	8	3:38	3:48	5:36	1:17	6:35	8:59	10:15
	8	Fri.	9	3:37	3:47	5:36	1:17	6:35	8:59	10:15
	9	Sat.	10	3:37	3:47	5:36	1:17	6:36	9:00	10:15
	10	Sun.	11	3:37	3:47	5:36	1:17	6:37	9:00	10:15
	11	Mon.	12	3:36	3:46	5:36	1:17	6:37	9:01	10:15
	12	Tues.	13	3:26	3:36	5:35	1:17	6:37	9:01	10:15
	13	Wed.	14	3:36	3:46	5:35	1:18	6:37	9:02	10:15
	14	Thurs.	15	3:35	3:45	5:35	1:18	6:38	9:02	10:15
	15	Fri.	16	3:35	3:45	5:35	1:18	6:38	9:03	10:15
	16	Sat.	17	3:35	3:45	5:35	1:18	6:38	9:03	10:15
	17	Sun.	18	3:35	3:45	5:35	1:18	6:39	9:03	10:15
	18	Mon.	19	3:35	3:45	5:35	1:18	6:39	9:05	10:15
	19	Tues.	20	3:35	3:45	5:36	1:19	6:39	9:05	10:15
	20	Wed.	21	3:35	3:45	5:36	1:19	6:39	9:05	10:15
	21	Thrus.	22	3:35	3:45	5:36	1:19	6:40	9:05	10:15
	22	Fri.	23	3:36	3:46	5:36	1:19	6:40	9:05	10:15
	23	Sat.	24	3:36	3:46	5:36	1:20	6:40	9:05	10:15
	24	Sun.	25	3:36	3:46	5:37	1:20	6:40	9:05	10:15
	25	Mon.	26	3:37	3:47	5:37	1:20	6:40	9:05	10:15
	26	Tues.	27	3:37	3:47	5:37	1:20	6:40	9:05	10:15
	27	Wed.	28	3:38	3:48	5:38	1:21	6:41	9:05	10:15
	28	Thrus.	29	3:38	3:48	5:38	1:21	6:41	9:05	10:15
	29	Fri.	30*	3:39	3:49	5:39	1:21	6:41	9:05	10:15
	30	Sat.	EID*							

Eid Day (DEPENDS ON THE SIGHT OF THE MOON)

Sponcered By:

TADKESHWAR MUSLIM ASSOCIATION
P.O. BOX 341
STATION J
M4J 4Y8

HOUSE OF HALAL MEAT
803 DANFORTH AVENUE, TORONTO
461-2839
OPEN MONDAY TO SATURDAY
FREE DELIVERY

Printed in MALVERN PRINTING PRESS.
SCARBOROUGH, ONTARIO - 291-1137

Colin Seel
Student

Publisher & Editor
SOHAIL AKHTAR
TEL (416) 283-7255

پیغامبر

The Messenger

FORTNIGHTLY INDO-PAK NEWSPAPER

100 CARONIA SQUARE, SCARBOROUGH
ONTARIO, CANADA M1B 2Z8

You are the best community evolved for mankind. You enjoin right, forbid wrongdoing, and believe in Allah.

(Al 'Imran 3,110)

NEWSPAPER DIVISION
DES JOURNAUX

MAY 21, 1984

صدر ضیاء الحق

صدارتی انتخاب میں ضرور حصہ لیں گے

وطن عزیز میں انتخابات کا جو جائزہ انتخابات ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ لیکن خیال یہی ہے کہ اب کہ انتخابات کرائے بنا چارہ نہیں۔ سیاسی جماعتیں متحد ہونے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق جماعتی بنیادوں پر انتخابات اور کامیاب پارٹی کو "انتقالِ اقتدار" جیسے کوئی مطالبہ اس نکتہ سے باہر رہ گیا ہے اسی جامع ایک نقطہ نے صدر ضیاء کو ریفرنڈم اور ایک چوتھے مارشل لاء کی نوید سنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب انتخابات کرائے بغیر تو چارہ نہیں۔ کیونکہ امریکی انتظامیہ کی بھی یہی مرضی ہے۔ اور خود امریکی انتظامیہ جسے فوجی حکومتوں کی حمایت کی وجہ سے الزام دیا جاتا رہا ہے کسی نہ کسی شکل میں یہاں ایک نمائندہ حکومت برسر اقتدار دیکھنا چاہتی ہے لیکن یہ نمائندگی کیسے حاصل ہوگی۔ یہ سوال بڑا الجھا ہوا ہے اور واشنگٹن نے بھی اس وعدہ کی بنا پر طلب سے زیادہ رقم فراہم کر دی ہے اور امریکی کمیٹی نے بھی حالات سے مجبور ہو کر اپنے مطالبے میں ترمیم کر لی ہے۔ اب سب سے اہم اور الجھا ہوا سوال یہ ہے کہ کس طرح امریکی مخالف عناصر کو انتخابات ہو جانے کے باوجود برسر اقتدار آنے سے باز رکھا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا فارمولا منظر عام پر آیا ہے۔ اس فارمولے پر اصرار سے یہ ظاہر ہے کہ پس پردہ کیا عناصر کارفرما ہیں۔ اب صدر صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں صدارت کے امیدوار نہیں ہوں گے۔ اس اعلان سے ان کا مطلب اپنے حامیوں پر ایک نفسیاتی اثر ڈالنا مقصود ہے جو اب اصرار کریں گے اور بار بار اصرار کریں گے کہ وہ ضرور صدارت کے لئے امیدوار بنیں۔ اس سے ایک تو اسلامی شرط پوری ہو جائے گی اور دوسرے عوام میں سے کارکن میسر آجائیں گے۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں بھٹو مرحوم کا عام انتخابات کا اعلان قبل از وقت تھا۔ ان کا خیال تھا کہ سیاست دان متحد نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے انتشار اور اختلافات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن انتخابات کا اعلان ہوتے ہی پی این اے وجود میں آگئی انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں ایک تحریک چلائی گئی۔ اب صدر ضیاء الحق نے سیاستدانوں کو منتشر ہو جانے کے انتظار میں اتنی دیر کر دی کہ عوام اور سیاست دانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اور مزید مہلت کا امکان ختم ہو گیا۔ اب سیاست دان پھر اکٹھے ہو گئے ہیں اور صدر صاحب کو کہنا پڑا کہ وہ نئے چہروں کی تلاش میں ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر صدر ضیاء الحق نے صدارت کا انتخاب نہ لڑا تو وہ خود اپنی نظروں میں ہی قصوروار ٹھہریں گے۔ کیونکہ اس طرح ان کے پروگرام میں تسلسل برقرار نہیں رہے گا۔ اور اس وقت ملک کے نیم دلانہ اور نیم پختہ اقدامات پر پانی پھر جائے گا۔ اس لئے ان کے اختلافات کے باوجود صدر صاحب کے دو عزائم بالکل واضح ہیں۔ اول غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات تاکہ کوئی واحد مضبوط سیاسی پارٹی اکثریت سے ایوان میں نہ آسکے۔ اور اس طرح صدر صاحب بغیر کسی الجھن کے منتشر لوگوں کے مقابلے پر صدر بن جائیں یا پھر چوتھا مارشل لاء۔ ان کا صدارت کے پورے ملک سے انتخاب لڑنے سے گریز اس وجہ سے ہے کہ ان کے مقابلہ میں اب ایک متحدہ سیاسی امیدوار موجود ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ صدر صاحب اور سیاستدانوں کے درمیان ایک سرد جنگ جاری ہے۔ فریقین کے نقطہ نظر ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ اور ان میں نقطہ اتصال اور مفاہمت کا امکان کم ہے۔ مثلاً صدر صاحب آئین میں ترمیم کے حق میں ہیں اور صدر کے اختیارات بڑھا کر وزیراعظم کے اختیارات کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ قومی سلامتی کونسل اس پر مستزاد ہے۔ جبکہ جملہ سیاسی جماعتوں کا مطالبہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو بحال کرنے کے بعد اس کے تحت انتخابات کرائے جائیں۔ اب اگر ۱۹۷۳ء کے آئین کو بحال کیا جاتا ہے تو صدر صاحب کے ۱۲ اگست کے پورے پروگرام پر پانی پھر جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں آئین میں دی گئی ترامیم کے طریقہ کی پابندی ضروری ہوگی جو اس وقت ناممکن العمل ہے۔ اگر فریقین اپنے اپنے مسلک پر ڈٹے رہے اور مفاہمت کی کوئی صورت نہ نکلی تو نتیجہ محاذ آرائی ہوگا۔ محاذ آرائی کی صورت میں صدر صاحب پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں کہ وہ استصواب کرائیں گے اس صورت میں بھی ان کی کامیابی مخدوش ہے ریفرنڈم اس سوال پر ہوگا کہ آیا عوام کو صدر صاحب بحیثیت ایک فوجی کمانڈر کے ملک کے سربراہ کے طور پر منظور ہیں۔ عوام اس تجویز کے حق میں کبھی رائے نہیں دیں گے دوسرا راستہ مذاکرات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صدر صاحب مذاکرات پر دل سے خواہاں ہیں۔ لیکن ان کا وقار اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ سیاست دان ان کے پاس آکر پہل کریں اور سیاست دان کہتے ہیں کہ اب گیند صدر صاحب کے کورٹ میں ہے۔ اب صورت حال اس وقت صاف ہوگی جب جملہ سیاست دان ایک نقطہ پر مشتمل مطالبہ کے ڈیکلریشن پر دستخط کریں گے۔ اس کے بعد وہ صدر صاحب کو نوٹس دیں گے کہ وہ ان کے مطالبات پورے کریں۔ صدر صاحب شاید اس کا جواب دیں کہ سیاسی جماعتیں کالعدم ہیں اس لئے ان مطالبات اور اس نوٹس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایم آر ڈی کا پلڑا کمزور ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ طاقت سے محروم ہیں۔ دوسرے ان میں مکمل اتفاق رائے نہیں۔ صدر صاحب نے مسلم لیگ کے پگاڑا صاحب کو بطور ایک متبادل کے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ صدر صاحب نے آخری فیصلہ ابھی تک صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔ ان کے پاس ضرور کوئی ایسا آخری حربہ موجود ہے جس کے بل بوتے پر انہوں نے موجودہ حالات میں سیاست دانوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ سب سے بہترین راہ تو یہی ہے کہ صدر صاحب سیاسی جماعتوں پر پابندی کے قانون میں نرمی کر کے انہیں بحال کریں اور ان سے مذاکرات کریں جس میں پہلے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں پھر

(باقی صفحہ [illegible] پر)

چوتھے مارشل لا کی باتیں کیوں کی جا رہی ہیں؟

سیلاب میں گھرے ہوئے شخص کو بارش سے ڈرایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق تو دونوں طرح استعمال کئے جا سکتے ہیں کیونکہ اس کا انحصار سیلاب یا بارش سے زیادہ متعلقہ شخص کی کیفیت پر ہے تاہم سردار شیر باز مزاری نے پاکستانی عوام کے حالات جس نفسیاتی کیفیت کو منسوب کیا ہے اس کے مطابق سیلاب میں گھرے ہوئے لوگ بارش سے نہیں ڈرتے۔ مزاری صاحب نے یہ مثال اس عمومی رائے پر دی ہے جو سرکاری حلقوں کی طرف سے جماعتی اور سیاسی یا اس کے برعکس طریق انتخاب کے سلسلے میں دی جاتی ہے اور جس کے حوالے سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات چوتھے مارشل لاء کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔ سردار شیر باز مزاری کا کہنا ہے کہ جو تھا مارشل لاء آگیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ انہوں نے ایک دوسرے مقام پر یہ بھی کہا کہ سیاسی بنیادوں پر انتخابات کی صورت میں خون خرابے کا اندیشہ غلط ہے بقول مزاری صاحب ملک کو ہمیشہ غیر جمہوری اداروں نے نقصان پہنچایا ہے۔

جماعتی بنیادوں پر انتخابات کی صورت میں سرکاری حلقوں کے اندیشوں اور مزاری صاحب کے ردعمل کے ساتھ ہی ساتھ اگر ہم ایک قابل ذکر سیاسی جماعت یعنی پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل جناب فاروق لغاری کا ایک حالیہ بیان بھی سامنے رکھ لیں تو معاملات کسی حد تک واضح ہو جاتے ہیں۔ جناب لغاری کا کہنا ہے کہ اگر ہم (یعنی پیپلز پارٹی) نے انتقام لیا تو پھر مارشل لاء نافذ کر دیا جائیگا۔ اسی بیان کے اگلے حصے میں فاروق لغاری پاکستان کے موجودہ وزیراعظم جناب محمد خان جونیجو سے یہ بیان منسوب کرتے ہیں کہ آپ کی پارٹی (پیپلز پارٹی) ملک کی سب سے بڑی پارٹی ہے۔ حکمران مسلم لیگ کے جناب پیر پگاڑا کا بیان بھی دیکھ لیں جس میں وہ ابھی ملک میں صرف دو ہی سیاسی جماعتوں کی موجودگی کا اعتراف کرتے ہیں یعنی ایک مسلم لیگ اور دوسری پیپلز پارٹی تو یہ رائے بآسانی قائم کی جا سکتی ہے کہ اور کچھ نہیں تو پیپلز پارٹی ایک ایسی جماعت ضرور ہے جسے سیاسی تناظر میں نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی اور موجودہ انتظامیہ کے باہمی تعلقات کی نوعیت جو کچھ بھی رہی ہے وہ بہت واضح ہے اور اس کی بابت یہ تاثر عام ہے کہ دونوں کے درمیان حریفانہ رشتہ موجود ہے تاہم بعض سیاسی حلقوں کے نزدیک یہ الگ بات ہے کہ پیپلز پارٹی والے ماضی کی غلطیوں اور نقصانات کی وجہ سے اور بدلتے حالات کی مصلحت خود کو ایک مختلف انداز میں منظم کرنے کی سعی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

حالات و واقعات کا اونچ نیچ اپنی جگہ لیکن خود سیاسی مبصرین اپنی جگہ تاہم قابل غور پہلو یہ ہے کہ سرکاری حلقے جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات کے حق میں نہیں ہیں اس کے لئے کبھی اسلام کا حوالہ دیا جاتا ہے اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مستقبل قریب میں ہونے والے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے دیجئے اس کے بعد جب چاہے جماعتی انتخابات کا شوق پورا کرتے رہئیے۔ نواب زادہ نصر اللہ خان کے نزدیک سرکاری حلقوں کا بہت بڑا تضاد یہ ہے کہ وہ پوچھتے ہیں کہ اگر جماعتی انتخابات اسلام کے منافی ہیں تو پھر سرکار اپنی بات پر مستقل مزاجی سے قائم رہے وہ یہ کیوں کہتی ہے کہ اس بار تو غیر جماعتی انتخابات ہونے دیں اس کے بعد جماعتی طریقہ انتخابات اپنا لیجئے۔ ایک دفعہ کا حرام دوسری بار حلال کیونکر ہو سکتا ہے۔

دراصل یہ خیال عام ہے کہ سرکاری حلقوں میں جماعتی انتخابات کے متعلق پایا جانے والا تضاد اس وجہ سے ہے اس کی بڑی حریف جماعت کے عمومی مزاج میں انتہا پسندی کا عنصر غالب ہے اور یہ انتہا پسندی اس وقت یقیناً اپنے اندر خطرات و خدشات لئے ہوتی ہے جب جماعتی وابستگی کی بنیاد سیاسی فکر کی بجائے جذباتی اندھے پن اور ذاتی و شخصی وجاہت پر استوار ہو۔ ایک ایسا ملک جہاں سیاسی روایت کا استحکام موجود نہ ہو سیاسی ادارے کالعدم ہوں سیاسی عمل ایک عرصے سے ناپید ہو تو وہاں مزاجوں میں ٹھہراؤ اور توازن و اعتدال قریب قریب نایاب خصوصیات بن جاتی ہیں۔ ایسے میں افہام و تفہیم کی راہ میں بھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور باہمی اعتماد و انحصار میں بھی کمی آجاتی ہے اور جو لوگ فیصلے کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں وہ اپنے فیصلوں کو جو لامحالہ انتہا پسندی کے امکانات کی بنیاد پر ترتیب دیتے ہیں

اس لئے اگر موجودہ انتظامیہ غیر جماعتی انتخابات کے لئے اصرار کر رہی ہے یا ان کے جواز کے لئے مختلف نظریاتی سہارے تلاش کر رہی ہے تو یہ اس کے مقاصد اہداف اور ترجیحات کے عین مطابق ہے۔ اگر کسی کی خواہش ہے کہ وہ ان میں تبدیلی پیدا کر دے تو اسے سب سے پہلے اس عمومی صورت حال کو بدلنا ہوگا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور جس کی بنیاد پر سرکاری حلقے جماعتی انتخابات کو اپنے مفادات سے متصادم کہتے ہیں۔

سردار شیر باز مزاری نے چوتھے مارشل لا کے امکانات پر جس بے اعتنائی یا بے فکری کا اظہار کیا ہے ممکن ہے بعض حلقوں کے نزدیک اسے حیرت انگیز سمجھا جائے تاہم فاروق لغاری مقابلتاً کم تجربہ کاری کے باوجود اس معاملے میں زیادہ سنجیدہ نظر آتے ہیں اگر ہم صرف نظر کریں قرآن کا زیر حوالہ محمد جاوید بیان اپنے اندر جو پیچیدگیاں لئے ہوئے ہے تفصیل میں جائے بغیر ہم صرف اس پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہیں گے جس کے مطابق وہ یہ کہتے ہیں کہ "ہماری پارٹی اعلان کی پارٹی ہے۔ ہم کسی قسم کا انتقام لینا نہیں چاہتے اگر ہم نے انتقام لیا تو پھر اس ملک میں فوج کو آنے کا موقع مل جائے گا۔"

علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کی وفات پر تعزیت

چوہدری نذیر احمد کے مکان پر ایک تعزیتی اجلاس زیر صدارت پیرزادہ سلطان نیاز الحسن قادری ہوا جس میں علامہ اوکاڑوی کی وفات پر گہرے رنج کا اظہار کیا گیا اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کی گئی۔ اجلاس میں مولانا قاری محمد ایوب صابر سلطانی، مولانا میاں محمد سعید، مولانا منیر احمد سلطانی، چوہدری نذیر احمد اور محمد سلیم نے شرکت کی۔